ڈاکٹر قرۃ العین طارق

ریسرچ اسکالر، کراچی

معاصر اُردو شاعرات اور تانیثی جہات

(تنقیدی مطالعہ)

Urdu Poetess and Feminist Aspects Contemporary

(Critical Analysis)

Abstract:

Feminism is a viewpoint, a way of looking at the indivituality,freedom of thought and problems of of women.The main purpose is the resumption of rights of women in society.It originates as a new" movement from west and later influenced the Urdu literature.Feminist movement conferred the dimension for the self-search to the personas of women.In this perspective renowned Urdu poetess not only portrays the marginal situation of women but also highlights the gender sufferings and expliotation in male based society. Contemporary Urdu poetess gives a clear viewpoint of gender indivituality,self-determination and freedom of thought in their poetry.These poetess's resistance tone interpreters the mal treatment gender discriminiation in the society.This article illustrates the grief and distress of women going through and struggles to attain their rights in this society.

Keywords: Feminism, Feminist movement, contemporary poetess , gender discrimination, critical analysis

تانیثیت ایک ایسا نقطۂ نظر ہے جو عورت کے فردی وجود، آزادی اظہار اور مصائب کو نمایاں کرتا ہے۔اس کا اصل مقصد معاشرے میں عورتوں کے حقوق کی بازیافت ہے۔تانیثیت مغرب میں ایک تحریک کی صورت معرض وجود میں آئی جس کے ابتدا میں سماجی اور اقتصادی سطح پر عورت سے روا غیر مساوی و ناروا سلوک اور معاشی استحصال کے خلاف رد عمل ظاہر ہوا۔اِس نقطۂ نظر کے تحت مغربی مفکرین اور خواتین قلم کاروں نے عورت کی صنفی حیثیت، سماجی تشخص اور اقتصادی حقوق کی بحالی کے لیے دلائل و مباحث کو پیش کیا۔اِن میں میری وول

اسٹون کرافٹ ،جان اسٹوورٹ مل، سیمون ڈی بووا،کارل مارکس، فریڈرک اینگلز ، گرمین گریئر،ورجینا وولف،ایچ.جی.ویلز،ایلین شووالٹروديگر کی کاوشیں قابل ذکر ہیں۔عورت کی تلاشِ ذات سے اظہارِ ذات تک کے مراحل کوتانیثی تحریک نے نئی جہت عطا کی۔

مساوات کی حمایت اور مردانہ عصبیت کے رد عمل میں یہ نظریہ ،طاقت وراور پر اثر فکر و عمل کی شکل اختیار کرتا گیا۔بیسویں صدی کے اوائل میں اِس کے اثرات اُردوادب میں واضح ہوناشروع ہوئے جس کے تحت تہذیبی و معاشرتی تناظر میں صنفی امتیازات اور بے توقیری پر تنقید کرتے ہوئے تانیثی شعور کی آبیاری کی گئی۔پروفیسر عتیق اللہ کے مطابق:

> ’’تانیثیت کاموقف اُس عورت کو Deconstruct کرناہے جواپنی ذات ہی سے بے خبر نہیں تھی بلکہ اُس سماجی تہذیبی منظرنامے سے بھی نابلد تھی جس کے جبر نے اُسے مجہول حقیقت میں بدل کرر کھ دیاتھا‘‘(۱)

اِس تناظر میں اُردو شاعرات نے اپنے فکر واظہار میں عورت کی حاشیائی صورت حال کو نہ صرف موضوع بنایابلکہ عورت کی شخصی تنزلی،جبر اور صنفی تفریق کے خلاف موثر احتجاج بھی رقم کیا۔اِن شاعرات نے زندگی کے تجربات ومشاہدات سے منعکس عورت کے وجودی کرب وآلام اور مرد کی تاملانہ بے اعتنائی پر سوال بھی اٹھائے اور صنفی پامالیوں پر مزاحمت بھی عیاں کی۔ فہمیدہ ریاض، کشور ناہید، پروین شاکر، فاطمہ حسن، ساراشگفتہ، عذرا عباس، شبنم شکیل ، نسرین انجم بھٹی، ثمینہ راجہ، و دیگر کا شعری اسلوب اِن عوامل کی نشان دہی کرتے ہوئے تانیثی فکر وعمل کی ترویج کرتارہا۔اِن شاعرات نے روایتی وسماجی قدغنوں میں جکڑی عورت کے صنفی تشخص کو بحال اور تانیثی شعوراُجاگر کرنے کے لیےاہم اور مؤثر کردارادا کیےاور پدر سری نقطۂ نظر کو یکسر تبدیل کر دیاجس کے تحت عورت کو کمتر مخلوق اور سامان تعیش سمجھا جاتا تھا۔اِس تناظر میں دیکھا جائے تو عہد حاضر کی شاعرات کا تانیثی ڈسکورس زیادہ بے باک اور باغیانہ لب ولہجے کی دلالت کرتا ہے۔

تانیثی فکر وحسیَت کے تسلسل میں معاصر اُردو شاعرات کے یہاں ایک ایسی عورت کا تصور ابھرتا ہے جو محکوم و مظلوم نہ ہو بلکہ اپنی زندگی کے معیارات اور طریقۂ حیات میں خود مختار ہو۔وہ اپنے حقوق کے لیے سر گرم عمل

بھی ہے اور گرد و پیش میں بکھری اُن تصویروں کو نمایاں کرتی ہے جو مرد اساس سماج کی زیادتیوں کا شکار ہے۔اُن کے اظہار میں جرأت بھی ہے اور بلند آہنگی بھی۔ محترم حقانی القاسمی کے خیال میں :

"اکیسویں صدی میں تانیثیت سے جڑی تخلیق کار نہ صرف اپنے شدید جذباتی رد عمل کا اظہار کر رہی ہیں بلکہ ممنوعہ سرحدوں میں داخل ہوتے ہوئے بھی وہ خوف محسوس نہیں کر رہی ہیں۔وہ بڑی جرات و جسارت کے ساتھ اپنے جذبات اور خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔"(۲)

اس تناظر میں معاصر اُردو شاعرات کے کلام میں تانیثیت کے متنوع جہات اور رویے نمایاں ہوئے ہیں۔اِن میں ریڈیکل،لبرل ،مزاحمتی اور مابعد جدید تانیثی نقطۂ نظر اہم تصور کیے جاتے ہیں۔معاصر اُردو شاعرات نے سماجی، معاشی، جنسی، نفسیاتی اور سیاسی عوامل کے تناظر میں بھی عورت کی وجودی حیثیت اور مسائل کو بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ صنفی شناخت سے مساوی حقوق کی بازیافت ہو یا محکومی سے خود مختاری تک کا سفر، ذہنی جبر سے جنسی استحصال کے کرب تک کا بیانیہ ہو یا طبقاتی تقسیم کا الم سب ہی کا ادراک، بخوبی عیاں ہے۔اِن شاعرات نے نظمیہ شاعری کے تحت واضح، توانا اور پُراثر تانیثی ڈسکورس کی تشکیل کی۔

نسیم سید ،صاحب طرز شاعرہ اور ہمہ جہت تخلیق کار ہیں۔اُن کی تخلیقی جہات میں روایتی و فرسودہ اقدار میں جکڑی، ظلم و ذہنی استحصال سہتی اور صنفی امتیاز و منافرت کا شکار عورت کا کرب بخوبی اُجاگر ہوا ہے۔ بے یقینی سے یقین تک کے الہام اور اپنے ہونے کے قوی احساس کے ساتھ، نسیم سید کا پہلا مجموعہ کلام آدھی گواہی عورت کے شکستہ وجود اور حیاتی کرب سے پردہ اُٹھاتا ہے۔انھوں نے سماجی زندگی کے تلخ و شیریں تجربات و مشاہدات کو پورے تانیثی شعور کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نظم آدھی گواہی کا یہ بند،اُس غیر منصفانہ تفریق کا واضح ترجمان ہے جس سے عورت برسوں بر سرِ پیکار رہی۔

گواہیاں سب کی معتبر ہیں
تو پھر ہمارے ہی پشت پر ہاتھ کیوں بندھے ہیں
ہماری ہی سب گواہیوں پر
یہ بے یقینی کی مہر کیوں ہے

سبھی صحیفوں میں یہ لکھا ہے

ترے ترازو کا کوئی پلڑا جھکا نہیں ہے

تو کیا یہ سمجھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

ہمارا کوئی خدا نہیں ہے۔۔۔۔۔۔؟ (۳)

اس تناظر میں نسیم سید کی شعری تخلیقات کا مطالعہ ،انسانی آلام کے نقوش اُجاگر کرنے کے ساتھ اُن زخموں کا کرب بھی عیاں کرتا ہے جو مرداساس معاشرے نے صنفِ نازک پر مرتسم کیے۔اُن کے تانیثی لہجے کی انفرادیت وہاں ظاہر ہوتی ہے جب وہ عورت کی صنفی پامالی، سماجی جبر اور غیر مساویانہ سلوک کو بیان کرتی ہیں۔اِن احساسات سے پُر نظموں میں جنسی تشدد سے زناکاری تک کے کریہہ عزائم کو یوں رقم کیا ہے:

وہ کچے گھر

جہاں کسی لڑکی کا

کوئی مان کوئی ایمان نہیں

روز ''زنا'' کے کوڑے کھائیں

اور اخبار میں

جن کا کوئی بیان نہیں

جن کے لیے قانون،عدالت

اور کوئی ایوان نہیں

جہاں لڑکیاں

روز کسی آنگن سے

اُٹھوائی جاتی ہیں

اور پھر اُدھڑے جسم لیے

کیچڑ میں پڑی پائی جاتی ہیں (۴)

نسیم سید نے عورت کے روح فرسا حکایاتِ خونچکاں رقم کرتے ہوئے عہد حاضر کے جنسی و صنفی پامالیوں پر مبنی سماجی رویوں پر کڑی تنقید کی ہے۔ زندگی کے المناک حقائق کے ساتھ جذباتی حسّی تجربوں کے نقوش اُبھارے ہیں۔ اس نظم کا احتجاجی لہجہ، صنفی بے بسی اور امتیازی سلوک کی دلالت کرتا ہے:

کچھ کہا نہیں لیکن
میں نے سوچا ہے اکثر
کس قدر سلیقے سے
میرے گہرے کش لے کے
راکھ اپنی چٹکی سے
میری جھاڑ دیتے ہو
کس طرح طریقے سے
چھوٹے چھوٹے مرغولے
کر کے میری سانسوں کے
مجھ کو پھونک دیتے ہو
کس قدر محبت سے
مجھ کو آخری کش تک
پی کے۔۔۔۔ پھینک دیتے ہو(۵)

عورت کی مجموعی صورت حال کی موثر عکاسی، نظموں ''کچے دھاگے''، ''سمجھوتہ''، ''یہ رسمِ من وتو''، ''دیواروں کے پیچھے''، ''ہم نے کچھ نہیں سنا''، ''ڈاوری آدھی گواہی''، ''بدن کی اپنی شریعتیں ہیں''، ''مگر ایسا ہوتا ہے''، ''تمہارے بس میں کب ہے''، ''سمندر راستہ دے گا زینب نے سکھایا ہے ہم کو''، ''ہم اپنے بارے میں دم بخود ہیں''، ''فتویٰ''، ''منافق تیلی بھر آگ میں بھی نمایاں ہے۔ اُن کے طرز اظہار میں نامسائد حالات کے خلاف احتجاج ضرور ہے لیکن اِس کے ساتھ ہی جابرانہ نظام کو بدلنے اور صنفی تشخص کی

بازیافت کا عزم بھی کارفرما دکھائی دیتا ہے۔لبرل تانیثی فکر کی عکاس اِس نظم میں ''وجود کا اثبات'' بخوبی عیاں ہوا ہے:

میں اپنے ہونے کے اور نہ ہونے کے
مخمصے سے
نہ جانے کب کی
نکل چکی ہوں
تمہاری حد سے گزر چکی ہوں
یہ وقت کی ڈور ہے
جو چرخی سے میری
ہنس کے لپٹ رہی ہے
یہ رنگ جیسے، پتنگ جیسے
حسین موسم ہیں میری سوچوں کے
تال پر میری تال جو دیتے جا رہے ہیں
قدیم مردہ روایتوں، سازشوں
کی یہ گٹھڑیاں تمھاری
تمہیں مبارک
تمہاری چالاک سرحدوں سے
نہ جانے کب کی
میں جا چکی ہوں[۶]

نسیم سید کے تانیثی شعور کی جاذبیت اِس فکر و عمل میں پوشیدہ ہے کہ وہ حقائق سے فرار نہیں چاہتیں اور نہ اپنی فنی تخلیقات کو پناہ گاہ تصور کرتی ہیں بلکہ حیاتی کرب ،سماجی نظام کی بدصورتی اور جبر و استحصال کو واضح کر کے اعلانِ بغاوت بلند کرتی ہیں۔انھوں نے عورت کے لایعنی وجود کی بازیافت اور شناخت کا مقدمہ، بڑی خوبی سے لڑا

ہے۔اُن کی تانیثی جہت میں ایک مشترک قدر،واضح ہوئی ہے جواُن کی سچائی اور کھرا پن ہے۔انھوں نے اپنے گردوپیش کو کھلی آنکھوں سے دیکھااوراسے بیان کرنے میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا۔خیر وشر کی تفہیم کرتے ہوئے تاریخ کے الم ناک حقائق مرتب بھی کیےاور معاشرتی خباثتوں کو بے نقاب بھی۔سچے اور کھرے تخلیق کار کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے پس منظر اور پیش منظر کو بالغ نظری سے بیان کرے اور یہ وصف انھیں عہد حاضر کی تانیثی فکر سے ہم آہنگ کر دیتا ہے۔

حمیدہ شاہین،عہد حاضر کی ہمہ جہت تخلیق کار ہیں۔انھوں نے نثر نگاری کے ساتھ شاعری کو بھی اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا۔پہلا مجموعہ کلام دستک جدید نسائی شعریات کے متنوع زاویوں اور تانیثی حسیت کا عکاس ہے۔اِن کا شعری اسلوب،زندگی کے تلخ و شیریں احساسات اور تجربات سے مزین ہے۔عورت کے صنفی تشخص پر سوالیہ نشان ثبت کرتے ہوئے وہ مردانہ سماج کی اخلاقی پس ماندگی کو نمایاں کرتی ہیں۔

نظم ''عدالت''میں عورت کی بے بسی کااظہار کچھ یوں ہوتا ہے:

ہاتھ میں خوف کی ہتھکڑی ہے سجی
پاؤں میں کتنے اندیشوں کی بیڑیاں
آنکھ میں بے بسی اور ویرانیاں
خشک ہونٹوں سے لپٹی ہوئی تشنگی
کانپتی،ڈولتی اور سہمی ہوئی
ایک نوچے ہوئے پیرہن کو بدن پر لپیٹے ہوئے
اپنے دامن میں اپنے ہی ٹکڑوں کو چن کر سمیٹے ہوئے
وہ عدالت کی دہلیز تک آگئی
اپنے مجرم کو منصف کی مسند پر دیکھا تو پتھرا گئی (۷)

اِن اشعار کالب ولہجہ ملاحظہ ہو جس میں عورت کے صنفی وقار اور اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے اُسے سماج میں زندہ رہنے کادرس بھی ہے اور مرد کو اُس کے حقوق دینے کی ترغیب بھی۔

وقت کی قید میں چپ رہیں گے تو مر دہ گنے جائیں گے
اپنی زنجیر کی ہر کڑی میں بجیں، آؤ کچھ تو جئیں
تیری آنکھ مری تقدیس کی شاید ہے
باب حسن تو لکھا، باب عصمت لکھ (۸)

اُن کی یہ خوبی ہے کہ وہ مدھم لیکن چبھتے ہوئے لہجے میں معاشرے کے حقائق سے پردہ اُٹھاتی ہیں۔اُن کی اِس مزاحمت کا سبب وہ حالات ہیں جو جبر واستحصال کا زائیدہ ہیں۔ نظم ''اگر کل بچانا ہے''کا شعری آہنگ، عہد حاضر کی تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اسی طرح کا لب و لہجہ نظموں ''پلٹ کر دیکھنا مت''، ''بے بسی''، ''انجام''، ''ہم نہیں بولتے۔۔۔ہاں''میں بھی نمایاں ہے۔

مجموعہ کلام زندہ ہوں کا فکری پس منظر جیو اور جینے دو کے فلسفہ حیات پر مبنی ہے۔اِس لیے معاشرے میں جاری شر انگیزیوں، صنفی پامالیوں اور حق تلفیوں پر حمیدہ شاہین کا احتجاج، حقیقت پسندی اور انسان دوستی کا مظہر ہے۔انھوں نے عورت کو ایک ذی شعور انسان ہونے کے ناطے اس پر کیے جانے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کی۔ نظموں ''طلاق''، ''طلاقِ رجعی''، ''ڈسپوزایبل''، ''قدر مشترک''، ''فالتو پرزوں والی گاڑی کون چلائے؟''، ''تین سالہ بچی کا ریپ'' میں عورت پر ظلم واستحصال اور غیر منصفانہ مردانہ سماج پر مزاحمت عیاں ہوئی ہے۔ نظم ''میں ایک بار سر اُٹھانا چاہتی ہوں''کا یہ بند تانیثی مزاحمت کا ترجمان ہے:

میری گردن میں موٹی زنجیر ہے
مجھے منہ کے بل گھسیٹا جاتا ہے
گلی گلی
شہر شہر
رشتہ رشتہ
شکوک وشبہات کی ریت میں
طعنوں کے پتھروں
اور تہمت کے کانٹوں پر
میری ناک ٹوٹ چکی ہے

آنکھوں میں ریت بھری ہے
اور کانٹوں میں زنجیر کا شور ناچتا ہے (۹)

حمیدہ شاہین کا شعری اسلوب، تغیر حیات، تانیثی ادراک اور آفاقیت کا عکاس ہے۔ان کے خیال میں ایک تخلیق کار محض اشیا کی دنیا تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ اس سے پرے جاتا ہے۔اُن کی خوبی یہ ہے کہ وہ انسانی وجود اور تخلیقی عمل کے درمیان ایک نہ ٹوٹنے والا رشتہ دریافت کرتی ہیں۔ نئی عصری حسّیت کی رو کو سمو کر ہی مجبور اور محصور انسان کی آزادی کا خواب دیکھا جا سکتا ہے۔

شہناز نبی، عصر حاضر کی تانیثی فکر کی نمائندہ شاعرہ، محقق اور مترجم ہیں۔اُن کی پہلی ادبی شناخت شاعری ہے جو زندگی کی تلخیوں اور صنفی تشخص و مساوات سے عبارت ہے۔ اپنی شاعری میں عورت پر جنسی استحصال و ناروا سلوک پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے اُس کے بنیادی حقوق کی نشان دہی کی۔اُن کا لب ولہجہ، جرأت مندانہ اور تانیثی مزاحمت کا آئینہ دار ہے۔ مجموعہ کلام بھیگی رتوں کی کتھا اور پس دیوار گریہ کے شعری منظرنامے پر عورت کی وجودی اہمیت اور شناخت کو پوری توانائی کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔اِن کے یہاں عورت کی خود مختار حیثیت ،اپنے صنفی مقام سے آگاہ بھی ہے اور مرد اساس معاشرے کے ظلم وزیادتیوں سے برسرپیکار بھی دکھائی دیتی ہے ۔اِن اشعار کا لب ولہجہ، تانیثی مزاحمت کا بھرپور غماز ہے۔

ہم نے بھی تو لفظوں میں نئے رنگ بھرے ہیں
اک تم ہی رہو درپئے اظہار بہت خوب
خود احتسابیوں نے بھرم رکھ لیا مرا
یہ کم نہیں کہ اپنے لیے محترم ہوئی (۱۰)

مجموعہ کلام ’’اگلے پڑاؤ سے پہلے‘‘ میں عورتوں کی سماجی حیثیت، ناروا سلوک، جنسی استحصال اور ناانصافیوں پر احتجاج کرتے ہوئے صنفی حقوق کی نشاندہی کی گئی ہے۔ صنفی محرومیوں پر اُن کا رد عمل، نظموں ’’نادید حمل، الحق، ساتویں شہزادی کا قصہ، ایک نظم اپنی ماں کے نام، معصوم بھیڑیں‘‘ میں بخوبی عیاں ہوا ہے۔ نظم ’’اے زیرک لوگو‘‘ کا یہ بند فرسودہ روایات وجبریت کا ترجمان ہے جس کا ایندھن، عورت صدیوں سے بنتی آرہی ہے۔

پہاڑوں کی بلندی سے

اپنی بچیوں کو پھینک دینے والے زیرک لوگو
کون کہتا ہے تم وحشی تھے
مہذب قوموں نے تعریف سے تاریخ تک بدلنی چاہی
لیکن ابتدائے آفرینش سے بنیاد شر کہلانے والی
کبھی باعثِ خیر نہ سمجھے جا سکی
وحشی قبائل آج بھی زمین جان کر روندتے ہیں
فصلوں کی طرح کاٹتے ہیں
اندھا کنواں سمجھ کر پاٹتے ہیں(۱۱)

ڈاکٹر شہناز نبی کا جراتِ اظہار، انھیں مظلوم و مجبور عورتوں کے حقوق کے لیے سر گرمِ عمل رکھتا ہے۔ وہ شاعری و تنقید میں تانیثی فکر و جدوجہد کو فروغ دینے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتی ہیں۔ تانیثی مزاحمت کے برگ و بار نظموں " اپنے لیے ایک مشورہ"، "ایک ترقی پسند کا نوحہ"، "ڈراپ سین"، "تجربہ اگلے پڑاؤ سے پہلے"، "انتقام"، "ایک گھاٹ کی کہانی"، "ننھی چڑیا اور جنگل" ، "آزادی اپنی شرطوں پر شرار جستہ ہتک"، "نور کے نام"، "افتادگی"، "تین لکیریں"، "چھرّے نظمیں ہماریاں" میں نمایاں ہوئے ہیں۔ نظم "جرمانہ" صنفی تشخص کی بازیافت میں سر گرم عمل عورت کی جدوجہد کی بھرپور ترجمان ہے۔

سرکشی کی سزا تمہیں ہی نہیں
مجھ کو بھی مل رہی ہے ہر لمحہ
میں بھی ہر صبح تھکن کی پرتوں کو
بازوؤں سے جھٹک کر اٹھتی ہوں
بال و پر میں اڑان بھرتی ہوں
دن ڈھلے تک تلاشِ گندم میں
اگلے دن کی تھکن جُٹاتی ہوں
جانے پازیب کس دراز میں ہے

جانے کنگن کہاں پہ رکھا ہے
میرے بے فکر قہقہوں کا سرا
کون جانے کہاں پہ چھوٹا ہے
اب تو فردوس گم شدہ کی کسک
بھول کر بھی کہاں ستاتی ہے
ہاں، وہ اک آتشِ ازل مجھ کو
لمحہ لمحہ جلائے جاتی ہے (۱۲)

اُنھوں نے ذات و نسل اور طبقاتی فکر و عمل کے خلاف بھرپور مزاحمت کا اظہار کیا ہے۔ وہ صنفی آزادی کی پیروکار ہونے کے ساتھ انسانی حقوق و بالادستی کی خواہاں بھی ہیں۔ ڈاکٹر شہناز نبی کی شاعری خوف میں مبتلا انسان کے دکھ، معاشی ناانصافیوں اور فرقہ پرست طبقوں کے خلاف ردِ عمل کی واضح ترجمان ہے۔

ڈاکٹر شہلا نقوی کی شاعری، روایتی و سماجی بدلاؤ اور ریڈیکل تانیثی نقطہ نظر کی ترجمان ہے۔ وہ ''نخلِ مریم'' کی شعری سوغات کی صورت، جدید شاعرات کی صف میں شامل ہوئیں۔ شہلا نقوی نے عورت کی روایتی بے توقیری اور طرزِ احساس کو بیان کرتے ہوئے نہ صرف اُس کی صنفی حیثیت کو بحال کیا بلکہ اُسے مکمل انسانی وجود تسلیم کراتے ہوئے باعث تعظیم بھی قرار دیا۔ نظم ''نخلِ مریم'' کا لب و لہجہ، عورت کے ذات، جذبات و احساسات اور جہد مسلسل کا ترجمان بھی ہے اور اُس کی تحسین و تکریم کا آرزومند بھی:

اپنی آنکھ کی جوت سے اُس نے
اپنے گھر کے دیپ جلائے
لیکن اِس سے قبل کہ چاندی
اُس کی چوٹی میں گندھ جائے
اُس کی تھکی ہوئی پلکوں کو
چوم لے آ کر کوئی مسیحا
پوروں کے زخموں کو اک دن

اپنے لمس سے یکسر بھر دے

اُس کے گل اندام بدن کو

پیار سے جب بانہوں میں سمیٹے (۱۳)

عورت کی صنفی پامالی کے خلاف مزاحمتی لحن ،نظموں '' قدرتی موت''،''گم شدہ''،''زنا بالجبر''، ''حسابِ حیات''، ''نمک کاڈلیہ''، ''چادرِزیست''، ''حجرہ کرب'' میں بخوبی اُجاگر ہوا ہے۔ نظم ''ارتقاء'' میں یہ مزاحمت، باغی احساسات کی صورت، مرد اساس معاشرے سے اپنا حق مانگ رہی ہے۔ نظم کا آخری بند، نسائی تشخّص کا عکاس ہے:

پھر وہ دن آیا

عجب طور سے جس میں اُبھری

باغیانہ

یہ اُسی ذہن میں سوچ

'' ورثہ دار اپنے پدر کی بھی تو ہوں

بنت حوا ہی نہیں

نصف بنی آدم ہوں''

سر اُٹھا کر وہ چلی (۱۴)

ڈاکٹر شہلا نقوی ایسی حقیقت پسند شاعرہ ہیں جو عورت کی صنفی اہمیت اور نسائی تشخص کی بحالی کے لیے سر گرم عمل ہیں۔وہ اپنی شاعری کے ذریعے معاشرے کی ترقی اور تبدیلی کے لیے کوشاں بھی ہیں اور مرد اساس معاشرے میں ایک مقابل فریق بن کر تخلیقی وفکری بلوغت کا ثبوت بھی فراہم کر رہی ہیں۔

شاعری زندگی کی تصویر سے زیادہ اُس کی تعبیر و تفسیر ہے۔خواب ناک حقیقتوں کی ایسی تعبیر جس میں اظہار و تجربات کی پُرپیچ راہوں سے گذرنے کا رمز بھی ہے اور معاشرتی متعلقات سے بر سرِ پیکار رہنے کا عزم بھی۔ تزہین راز زیدی کی شاعری بھی ایسی ہی تعبیر و تفسیر سے عبارت ہے جس میں مرد فوقی معاشرے میں عورت کی زبوں حالی، کرب و اذیت اور جبر واستحصال پر بھرپور مزاحمت عیاں ہوئی ہے۔پہلے مجموعہ کلام راز دان میں تہذیبی و

معاشرتی اقدار کے زوال کا آئینہ دکھاتے ہوئے عورت کی محرومیوں اور مجبوریوں کو درد مندی کے ساتھ رقم کیا ہے۔ نظم ''قلم سچائیاں لکھتا رہے گا'' کا انقلابی آہنگ، ریڈیکل تانیثیت کا غماز ہے۔

میں سچ کو سچ کہوں، باطل کو باطل
سو سچ کہتی ہوں میں روزِ ازل سے
یہی مسلک، یہی طرزِ عمل ہے
صداقت ہے مری نظموں کا باطن
صداقت ہی مرا نفسِ غزل ہے
مجھے سولی چڑھانا ہے چڑھائیں
زباں کے تیر بھی بے شک چلائیں
یا مجھ پہ سینکڑوں پہرے بٹھائیں
پلائیں زہر کے پیالے پلائیں
مرے لب کلمہ حق ہی کہیں گے
قلم سچائیاں لکھتا رہے گا
سرِ تسلیم خوفِ مرگ سے بھی
درِ باطل پہ نہ ہر گز جھکے گا(۱۵)

تزئین زیدی کے موضوعات، تازہ کار ہیں جو اپنے عہد کے معاملات و رجحانات سے راست تطابق رکھتے ہیں۔ وہ مشرقی روایات و اقدار کے پس منظر میں ازدواجی زندگی کے مسائل، صنفی پائمالی اور مردانہ چیرہ دستیوں کو نہایت طنز آمیز لہجے میں رقم کرتی ہیں۔ نظموں ''یہاں سانس لینے دو''، ''کورا کاغذ''، ''آدم تیرا راز''، *order-order* ''مطالباتِ شوہر''، ''قبائلی معاشرے کے آئینے میں''، ''عرض داشت''، ''دل نے بغاوت کر دی'' کا لب و لہجہ، مردانہ جبریت پر بھرپور مزاحمت کا ترجمان ہے۔ نظم *Balance of Power* میں وہ اللہ سے شکوہ کرتے ہوئے عورت کی صنفی حیثیت و روایتی بندشوں پر یوں احتجاج کرتی ہیں:

اِس جہاں میں عورتیں جتنی پریشاں حال ہیں

کہنے دے مالک کہ اِس کی وجہ ہے ذاتِ شما
تو نے ہی دے کر انھیں یہ ناز کی
اتنا بے کس اور بے بس کر دیا
مات کھاتی ہیں فقط اِس بات سے
صنفِ نازک ہونے کے حالات سے
بس یہی وجہ ہے عورت آج تک
عقل و دانش رکھ کے بھی مجہول ہے
حاکم وقت ہو کے بھی محکوم ہے
ظلم سہنے کے لیے مجبور ہے
تیری دنیا کا یہ دستور ہے (۱۶)

دوسرا مجموعہ کلام مضراب رگ جاں زندگی کے تصادمات و تضادات سے مزین ہے۔اس میں صنفی مصائب و محرومیوں کے آزار بھی ہیں اور دہشت و جبریت سے نبرد آزما انسانوں کے آلام بھی۔ تزئین زیدی نے زندگی کے ٹھوس حقائق کا بغور مشاہدہ کرکے انھیں شعری پیکر عطا کیا ہے۔اُن کی غزل ہو یا نظم، دونوں کے پیرائیہ اظہار میں احساس کی تمازت، سماجی و عصری فہم اور حیاتی کرب کی موثر ترجمانی ملتی ہے۔ نظمیں ''پنجرہ پنجرہ ہی ہوتا ہے''، ''خودی کا بادبان تھامے''، ''موسم بے اختیار''، ''فقط احساس باقی ہے'' سماجی قدغنوں کے خلاف ردعمل کی عکاس ہیں۔ نظم ''یہاں تو سانس لینے دو'' عورت کی فکری و عملی آزادی سے لبریز نظم ہے:

یہ میرا شہر ہے جاناں، یہاں تو سانس لینے دو
یہاں سے جڑی ہے یاد کی اک اک کڑی میری
یہی وہ شہر الفت ہے
جہاں پر عہد و پیماں کی یقینی پاسداری ہے
محبت ہے، مروت ہے، وفا ہے، وضعداری ہے
وفائیں ہم قدم ہو کر یہیں تو ساتھ چلتی ہیں

محبت راہ تکتی ہے، قرابت رشک کرتی ہے

یہ میرا شہر ہے جاناں

یہاں تو سانس لینے دو

یہاں بھی تم سے جینے کی اجازت مانگنی ہو گی ؟(۱۷)

انھوں نے انقلابی و مزاحمتی لحن کے توسط سے عمرانی و معاشرتی جبر اور تلخ حقائق کو بخوبی اُجاگر کیا ہے۔اِن نظموں کے ذریعے عہد حاضر کی عورت کے زبوں حالی سے لے کر بیرون ذات کے سلگتے ہوئے انسانی مسائل بیان ہوئے ہیں۔ نظموں ''اگر موسم بدل جائے''، ''کسک''، ''المیہ''، ''اکثر کہہ نہیں پاتی'' میں معمولاتِ زندگی سے جڑی سچائیاں ہیں جو وسیع تر مفہوم میں احساس و تجربات کے اسرار کھولتی محسوس ہوتی ہیں۔ بلاشبہ تزئین راز زیدی کی شاعری، ریڈیکل تانیثی فکر کی واضح ترجمان ہے۔

ڈاکٹر ثروت زہرا کی شاعری، تانیثی نظریات سے عبارت ہے۔انھوں نے شاعری کا آغاز نثری نظموں سے کیا۔اُن کا پہلا مجموعہ کلام جلتی ہوا کا گیت غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے۔اُن کا شعری اظہار لبرل تانیثیت کی دلالت کرتا ہے جس کے تحت عورت کو مردوں کے مساوی تمام بنیادی حقوق حاصل ہوں۔اسی تناظر میں انھوں نے خانگی و معاشرتی زندگی میں سر گرم عمل عورت کے جذبات کو ہی قلم بند نہیں کیا بلکہ اس کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم رکھنے کے خلاف بھی بھرپور ردعمل ظاہر کیا۔ نظم ''بنتِ حوا'' کا مزاحمتی لب و لہجہ، صنفی تفریق کا غماز ہے:

میرا آنچل جلے اور میں چپ رہوں !!

ظلم سہتی رہوں اور چپ رہوں

جانتی ہوں میرا بولنا جرم ہے

اور پھر شاعری تو کڑا جرم ہے

میرے جذبے رہیں دل کے زندان میں

میری گستاخیاں آپ کی شان میں (۱۸)

ثروت زہرا، عورت کی زندگی کا وہ منظر نامہ پیش کرتی ہے جس میں اُسے روایتی اور سماجی طور پر کمزور سمجھتے ہوئے اُس کا استحصال کیا جاتا ہے۔اُن کی نثری نظمیں، روایتی عورت کے خول کو توڑ کر ایک باشعور عورت کی نمود کا

اشاریہ ہیں۔ یہ خود آگہی کا اعتراف بھی ہے اور صنفی محرومیوں پر احتجاج کا غماز بھی۔ اس تناظر میں نظمیں ''خاتون خانہ''، ''تلاش''، ''ارتقاء'' قابل ذکر ہیں۔ نظم *Disposable* میں عورت کی ذات کو غیر اہم گرداننے کے خلاف ردعمل ظاہر ہوا ہے۔

میں تمہاری جیب میں پڑا ہوا
ٹشو پیپر ہوں؟
جو تمہارے زخم کے انتظار کے
بر آنے تلک
تمہاری جیب میں رکھا جا سکے گا
یا میں تمہارے پسندیدہ پرفیومز میں سے
کسی بھی نام سے
جنون کے بازار سے خریدی گئی
پرفیوم کی بوتل ہوں؟
جسے تم جب چاہے لگاؤ
اور جب چاہو ڈریسنگ ٹیبل پہ
رکھے انتظار کے سپرد کر سکو گے (۱۹)

دوسرے مجموعہ کلام وقت کی قید سے کی شاعری میں بھی نسائی آلام، سماجی ناانصافیوں اور انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف مزاحمت عیاں ہے۔ نظم ''بے پروں کی تتلی'' کا یہ بند عورت کی مجبوریوں کا آئینہ دار ہے:

میں بیلن سے چکلے پہ
بیلی گئی ہوں
توے پر پڑی ہوں
ابھی پک رہی ہوں
یہ ککر کی سیٹی میں

میں چیختی ہوں
کسی دیگچی میں پڑی گل رہی ہوں
مگر جی رہی ہوں
مسلسل مسلسل (۲۰)

ثروت زہرا کی شاعری، انقلابی فکر و عمل کی ترجمان ہے۔انھوں نے مخصوص فکری نظام کے تحت لفظیات کے در وبست کا استعمال کرتے ہوئے عصری حقائق اور انسانی و آفاقی اقدار کی پامالی کو بخوبی بیان کیا ہے۔ صنفی جبریت پر احتجاج، معاشرتی ناانصافیوں پر ردعمل اور سیاسی آمریت کے خلاف بلند آہنگی نے انھیں عہد حاضر کی باشعور اور تانیثی اسلوب کی حامل شاعرات کی صف میں شامل کر دیا ہے۔

عذرا پروین، جدید شاعرات کے قافلے میں نسائی حسیت کی حامل شاعرہ ہیں۔اُن کی شاعری، صنفی محرومیوں اور معاشرتی بے حیثیتی کی ترجمان ہے۔اُن کا پہلا مجموعہ کلام راگ راگ مٹی غزلوں پر مشتمل ہے جس میں نسائی احساس وجذبات کے آئینے میں عورت کی بے بس زندگی کے آلام و مصائب بیان کیے گئے ہیں۔اِن اشعار کا لب و لہجہ، عصری صنفی صورت حال پر مزاحمت کا غماز ہے۔

جہاں چاہا وہیں رکھا، نہیں چاہا نہیں رکھا
کبھی صیدِ فلک رکھا، کبھی زیرِ زمین رکھا
لہولہان مرے سارے زاویے ہم میں
ہم اپنا سچ ہیں کہ کٹتے ہیں اپنی دھاروں سے (۲۱)

حقانی القاسمی کے خیال میں اُن کی پوری شاعری مرد معاشرے کے تجربوں کی میکانزم کے خلاف احتجاج ہے۔وہ میکانزم جو انسان کے داخلی، فکری احساس کو سلب کر لیتی ہے۔عذرا نے اِس کے خلاف اپنی نظموں کے تیور تند کر لیے ہیں۔ دوسرا مجموعہ کلام بارہ قباؤں کی سہیلی نظموں پر مشتمل ہے جس میں جدید عہد کی عورت کی مجموعی صورتحال اور معاشرتی وسیاسی ناانصافیوں کو بے باکانہ انداز میں رقم کیا گیا ہے۔اس نظم میں شہر سورت میں اقلیتی طبقے کی عورتوں پر مظالم کی تصویر کشی، تانیثی مزاحمت کی ترجمان ہے۔

سورت! سورت! سورت!
حاملہ ننگی ننگی عورت کے گلے میں جلتے جلتے ٹائر پہنائے گئے ہیں
دوڑ رہی ہیں لکشمن فوٹو کھینچ رہے ہیں بھرت مووی بنا رہا ہے ہاہاہا! سیتائیں
رام راجیہ کتنی دور ہے؟) رام راجیہ کا فاصلہ ناپنے کے لیے
خاکی وردی کے مووی کیمرے انہیں ناپ رہے ہیں
جلتی بھاگتے ننگے جسموں سے متعصب اتہاس کا ٹھٹھر تا بدن تاپ رہے ہیں
قہقہے قہقہے، گھومتا کیمرہ، ننگی جلتی دوڑتی عورتیں [۲۲]

یہی فکر واسلوب نظموں ''کیچوے''، ''سنو ہم جنگل میں رہتے ہیں''، ''آدھے صاحب''، ''میں اور کثیر مردنی'' میں بھی عیاں ہوا ہے۔ نظمیں'' سپلائر 1، سپلائر 11'' میں صدیوں سے عورت کے ساتھ کیے جانے والے ناروا سلوک، سماج میں جاری ظلم واستحصال اور مذہب کے نام پر بے انصافیوں کی موثر ترجمانی ہوئی ہے۔ عذرا پروین نے مومن مرد کی سوچ اور سلوک پر سوالیہ نشان ثبت کرتے ہوئے اسلامی حقوق کی نشاندہی کی ہے۔ نظم ''مردہ عورت کی زندہ ڈائری'' کا یہ بند ملاحظہ ہو جس میں عورت کے صنفی تشخص اور مقام کو مردانہ سماج میں کس حقارت اور ذلت سے برتا گیا ہے:

میں بھاگ رہی تھی
اسی کی جلتی چابکوں سے
ہاتھوں سے تاش کی گڈی پھینک منہ سے بہتی شراب پونچھ کر
بتایا اُس نے بھیڑ کو
کہ میں قران سے باہر جا رہی ہوں
اور بھیڑ لپک پڑی مرے پیچھے اپنے اپنے پتھر لے کر
مجھے دین بتانے والے خود ساختہ مومن کی کثرتِ رشوت
اِس کے کثرتِ زر کا سبب تھی [۲۳]

یہ حقیقت ہے کہ عہد حاضر کی شاعرات نے عورت کے صنفی اہمیت و حیثیت کو شعری پیرائے میں پیش کر کے اُس کے تشخص کو بحال کرنے کی کوششیں کیں۔اِن کی آواز دبی اور گھٹی ہوئی نہیں، وہ اپنی ذات پر ہونے والے جبر و استحصال کو بھی محض قسمت کا لکھا مان کر بیٹھ جانے کے درپے نہیں ہیں بلکہ وہ آنگن سے باہر نکل کر اپنی خود مختار دنیا آباد کرنے پر آمادہ ہیں۔اِن کے یہاں محض ذاتی کرب کی ہی ترجمانی نہیں ملتی بلکہ مرداساس معاشرے میں ایک مقابل فریق بن کر تخلیقی و فکری بلوغت کا ثبوت بھی فراہم کیا ہے۔

کہکشاں تبسم، عہد حاضر کی نمائندہ تانیثی فکر و جہت کی حامل شاعرہ ہیں۔ روایاتِ کہن اور عصر جدید کے مظاہر و واقعات کی نقش گری، اُن کی شاعری کا خاصہ ہیں۔ پہلا مجموعہ کلام بھنور بنتا ہوا دریا صنفی تجربات و تشخص کے اہم پہلوؤں سے آشنائی عطا کرتا ہے۔ نظموں میں عصر حاضر میں عورت کی صنفی حیثیت اور معاشرتی پس ماندگی پر مزاحمت نمایاں ہوئی ہے۔ نظم ''انت یاترا'' کا یہ بند ملاحظہ ہو۔

بانجھ عورتیں
عورت پن کا ثبوت کیا دیتیں؟
نفرت اور اپمان کی تپتی دھوپ کے سفر کے سوا
اُن کو حاصل بھی کیا تھا؟
وقت کے آئینے میں ٹھہرا ہوا
اُن کا عکس
بالکل دلت جیسا ہے
کہ دونوں صدیوں سے اپنی کھال کی جوتیاں
اپنے آقاؤں کے پاؤں کی خاطر
بنانے کے عمل میں ہلکان (۲۴)

وہ مرداساس معاشرے میں عورت کو قید عزلت میں رکھے جانے اور اُس کی حقوق کی پامالیوں پر شدید رد عمل کا اظہار کرتی ہیں۔ روایت و اقدار کی حد بندیوں میں محصور، عورت کا الم نظموں ''کٹھ پتلی''، ''چھل''، ''راکھ میں

دبی چنگاری‘‘میں بھی بیان ہوا ہے۔اُن کی شاعری صنفی تذلیل و غیر منصفانہ طرز عمل اور معاشرتی جبر و استبداد کی ترجمان ہے۔

دوسرا مجموعہ کلام سلسلے سوالوں کے نئی صدی میں رونما ہونے والی انسانی پامالیوں اور تانیثی فکر و عمل کا عکاس ہے۔ صنفی عدم مساوات اور محکومی کے خلاف کہکشاں تبسم کا رد عمل،اُس اخلاقی پستی کا ترجمان ہے جس میں آج کی عورت کی ذات و حیات کو تنگ نظر روایات کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ نظم ’’خود سے مکالمہ ‘‘ میں عورت کے مصائب و آلام کو یوں بیان کیا ہے:

تمہاری سسکیاں
صدیوں رہی ہے اَن سنی
اور آنسو بھی تو اِن دیکھے رہے ہیں
اور تم سرگوشیوں کو بھی
خموشی کی ردا سے ڈھانپے رکھتی ہو
یہ نم آنچل اگر ہوتا زمیں
تو کب کا نمک کی کان بن جاتا
وراثت میں تمہیں ملتا ہی کیا ہے۔۔۔؟
فقط اک صبر کی تلقین
مقدر جس کو کہتے ہیں۔۔۔۔ !
یہ روز و شب کی محنت کے عوض تم کو ملا بھی کیا۔۔۔
مصائب کی بھری تھالی (۲۵)

یہ مجموعہ کلام اُن سوالوں کا کتابچہ ہے جو ہر ذی شعور عورت کے ذہن میں اُبھرتے ہیں اور اُس کی زبان کو قوتِ اظہار بخشتے ہیں۔ نظمیں ’’یہ خواب کل کے ‘‘، ’’ہمیں خانوں میں مت بانٹو‘‘، ’’نیا ورق‘‘، ’’بنت حوا‘‘، ’’الجھن‘‘ اِس طرزِ بیان کی غماز ہیں۔ شاعر ایک حساس انسان ہوتا ہے جو اپنے گرد و پیش کے حالات کو عام انسان کی نسبت

زیادہ شدت سے محسوس کرتا اور اُس پر اپنا رد عمل ظاہر کرتا ہے۔ یہی رد عمل، کہکشاں تبسم کی شاعری کا اہم وصف ہے جس کے پس منظر میں وہ انسان کے دکھوں اور تکلیفوں کا اظہار کرتی ہیں۔

معروف شاعرہ اور نقاد محترمہ یاسمین حمید، اپنے مضمون ''ہمارا معاشرہ اور عورت لکھاری''میں عصر حاضر کے تانیثی رویوں اور نسائی فکر و احساس کے تناظر میں لکھتی ہیں:

''آج کی عورت کا باطن، آج بھی بغاوت کے عمل میں ہے اور بغاوت تو جبر کے خلاف ہی کی جاتی ہے۔ اِس کے شعری لہجے میں آج بھی شکایت ہے اور شکایت کسی دوسرے وجود کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ دوسرا وجود کہیں اُس کا خالق ہے، کہیں اُس کا ہم زاد اور کہیں وہ رویہ ہے یا وہ رویے ہیں جس کی بنیاد پر اس کے معاشرے کی تعمیر ہوئی ہے''۔[۲۶]

اِس تناظر میں مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اکیسویں صدی کی دوسری دہائی کی شاعرات، اپنے سماج اور معاشرے کے بوسیدہ اور جبریہ اصولوں سے انکار کی جرات بھی رکھتی ہیں اور روایتی صنفی معیارات میں بدلاؤ کے لیے سر گرم عمل بھی ہیں۔ جدید نظم گو شاعرات کے یہاں عصری حسّیت کے پس منظر میں تانیثی مزاحمت کے زاویے پوری معنویت کے ساتھ اُجاگر ہوئے ہیں۔ انھوں نے نئی شعری تفہیم کی طرف توجہ دیتے ہوئے جو احتجاجی لب و لہجہ متعارف کرایا ہے وہ پہلے سے زیادہ تلخ اور بے باک ہے۔ کچھ شاعرات کے کلام میں قومی و عالمی سیاسی تغیرات کے تناظر میں مجموعی انسانی صورت حال کے ساتھ صنفی مسائل و مصائب پر مزاحمتی لحن اُجاگر ہوا۔ اکثر شاعرات نے نثری نظم کے ذریعے صنفی کم مائیگی پر بھرپور احتجاج اور درشتگی کا اظہار کیا۔ اس سے قبل شاعرات کے یہاں عورت کے بنیادی حقوق ضبط کرنے کے خلاف صدائے احتجاج نمایاں نظر آتا مگر اس میں صنفی پامالیوں پر اس سطح کا مزاحمتی اسلوب، جس میں تہ بہ تہ طنز آمیز رمزیت اور باغیانہ لہجہ اختیار کیا گیا ہو، عیاں نہیں ہوا۔ تانیثی مزاحمت کے یہ زاویے، تبسم فاطمہ، ثمینہ تبسم، سدرا سحر عمران، صفیہ حیات کی شاعری میں بخوبی اُجاگر ہوئے ہیں۔

تبسم فاطمہ ،ہندوستان کی نمائندہ اور جدید حسیّت کی حامل افسانہ نگار،کالم نگار اور شاعرہ کے طور پر جانی جاتی ہیں۔اُن کا طرزِ اسلوب احتجاج و مزاحمت کے برگ و بار سے مزین ہے۔وہ بنیادی طور پر نثری نظم کی شاعرہ ہیں ۔اُن کا پہلا مجموعہ کلام میں پناہ تلاش کرتی ہوں عورت کے لایعنی وجود،انسانی کرب و آلام اور سیاسی و معاشرتی انتشار پر بھرپور مزاحمت کا ترجمان ہے۔اِن نثری نظموں کے توسط سے عورت کی جہد مسلسل،سماجی بندشوں اور جبریت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔اپنی صنفی شناخت اور اپنے دور کی پہچان کے سفر میں اُسے جن خار زاروں سے گذرنا پڑا ہے،اُس کا کرب و اذیت،اِن نظموں میں جابجا دکھائی دیتی ہے۔اِس شدتِ اظہار نے تبسم فاطمہ کے لب و لہجے میں تلخی گھول دی۔مرد اساس معاشرے میں عورت کی بے کسی اور استحصال کی تصویریں بہت کچھ عیاں کر دیتی ہیں۔نظموں ''دامنی ۲''،''دامنی ۳''،''قبر گاہوں کی ویران سلطنت''،''زیورات گہنے''، ''میں پناہ چاہتی ہوں'' میں جنسی و ذہنی استحصال اور کم مائیگی کا بیان،درحقیقت صدیوں سے حاشیے پر کھڑی اور شناخت کے لیے سرگرداں عورت کا احتجاج ہے۔

نظم ''بغاوت کے نام'' کا یہ بند نسائی انقلابیت کو یوں بیان کرتا ہے:

کتنے فخر کی بات ہے
بغاوت
اصل میں یہ لفظ
صرف ھمارے لیے پیدا ہوا ہے
پیدا ہوتے ہی
ہماری سانسوں کے تیر چلنے کو بھی
بغاوت کے نام سے پکارا گیا
اُڑنے کو آئی
تو گھر والوں نے
اُڑان میں بھی بغاوت کے سر پائے[۲۷]

ایسے ہی احساس و تجربات کی توسیع نظم ''آخر میں'' ہے جو اِس ترقی یافتہ دور میں عورت کی زبوں حالی کی تصویر ہی عیاں نہیں کرتی بلکہ مرد فوقی سماج اور ذہنیت کو قصابہ قرار دیتے ہوئے بے باک جراتِ اظہار کو بھی نمایاں کرتی ہے:

عیسیٰ کی طرح
صلیب پر لٹکنا ہوتا ہے ہمیں
مردوں کے بیچ ہی
چلنا اور جلنا ہوتا ہے ہمیں
یہاں ایک قصائی واڑہ ہے
کاٹا جا رہا ہے ہمیں
بھونا جا رہا ہے
تندور کی اگنی کنڈ ہیں
یہاں عمر گوشت کا لذیذ ٹکڑا ہے
ہم چوراہے پر
گوشت کی دکانوں میں
بیڑیوں سے لٹکائے گئے ہیں (۲۸)

دوسرا مجموعہ کلام ذرا دور چلنے کی حسرت رہی ہے عصری حقائق کا اندوہناک منظر نامہ ہے جس میں آگے بڑھنے کی خواہش، سنگریزوں پر چلنے اور روح کی کرچیاں سمیٹتے الم انگیز تجربوں سے عبارت ہے۔ نظموں ''سانپ سیڑھی''، ''چلے آؤ۔۔۔۔اور تیز تیز چلے آؤ''، ''ایمر جنسی اور خوف کی وادیاں'' ہوسِ اقتدار کے نشے میں دھت بے ضمیر سیاسی قیادت کے خلاف شدید احتجاج کی ترجمان ہیں۔ان نظموں کا تلخ بیانیہ، عوام الناس پر مسلط کیے گئے جبری نظام کی شدید مذمت کرتا ہے۔تانیثی مزاحمت کی حامل نظم ''کہیں دبائی جا رہی ہے ایک چیخ'' کا یہ بند اُس سوچ کا غماز ہے جس میں ملکی سیاست کو نفاذِ شرح اور مذہبی تاویلوں و عقیدوں سے آلودہ کر کے بے بس عوام پر مسلط کیا جاتا رہا ہے:

انصاف کی عمارتوں تک پہنچ چکی ہے بھگوا بوٹوں کی آہٹ
وہ بھیڑیوں کی طرح حملہ کررہے ہیں
سہمی ہوئی صدی کے مردہ جسم پر ٹوٹ پڑے ہیں
وہ لپلپاتی زبانوں سے چیل، کوؤں اور گدھوں کی طرح
انسانی حقوق اور جمہوریت کی ہڈیاں چبا رہے ہیں
ہم اِس مرتے ہوئے ملک کے گواہ ہیں
جہاں ہراسگی اور خوف کے ہر ورق پر
نتھورام گوڈسے کے نام کی تختیاں لگائی جارہی ہیں
بے نشان کیا جارہا ہے عدم تشدد کے فلسفیوں کو[۲۹]

اِس مجموعے کی سبھی نظمیں، متنوع موضوعات کی حامل اور طریق اظہار میں منفرد اور توانا ہیں۔ شاعرہ، زندگی کو سبک سار کرنے کی آرزومند دکھائی دیتی ہے۔ اِن کا جرات اظہار، مرداساس معاشرے سے مدمقابل ہوکر تخلیقی و فکری بلوغت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ نظموں ''میرا کیا ہے تم سوچونا''، ''اپنا اپنا قبرستان''، ''تھوڑا تھوڑا جینا سیکھنا ہے مجھے''، ''میں پھر سے جنم لے رہی ہوں'' کا بلند آہنگ طرزِ بیان، خودداری کے ساتھ مردانہ جبریت سے صف آراء عورت کے تلخ احساسات کی ترجمان ہیں۔ تبسم کی یہ خوبی ہے کہ وہ زندگی کے تجربات و مشاہدات کو کڑی در کڑی جوڑتے ہوئے ایک کل کی طرح، اپنی نظموں میں پیش کرتی ہیں۔ اِن کی نثری نظمیں، مروجہ رسمِ پارینہ اور روح کش عصری صداقتوں کو اِس طرح بے نقاب کرتی ہیں کہ قاری چند لمحوں کے لیے شدید یاسیت و اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیات خود تبسم کے فکر و اظہار میں بھی منقلب دکھائی دیتی ہے۔ نظم ''عالمی یوم خواتین کے موقع پر'' کا مزاحمتی آہنگ، اسی تاثر کا عکاس ہے:

روٹی، چکی سے بستر تک
ہم وہیں رہ جاتے ہیں
زمانہ قدیم سے چلے آرہے ہیں
مردوں کے سیاسی سنگرام سے زخمی

ذلیل کیڑے
جن پر کیڑے مارنے والی ادویات کا بھی اثر نہیں ہوتا
سیموں دی بوار کے لفظوں میں
ہمیشہ سے ہماری چابھی مردوں کے پاس رہی ہے
صدیوں سے انہی کا رہا ہے ریموٹ کنٹرول
کٹھ پتلیوں کی طرح ناچتے ہوئے
اب پاؤں بھی گھس چکے ہیں ہمارے
مگر ابھی باقی ہے ناچنا(۳۰)

تمہارے خیال کی آخری دھوپ تبسم فاطمہ کا تیسرا اور آخری مجموعہ کلام ہے۔ وقت کی رکاب تھامے، زندگی کے نشیب و فراز سے گذرتی اب ایسے دوراہے پر آکھڑی ہوئی ہے جہاں سماجی انصاف کے غیر مساوی پیمانوں اور صنفی پامالیوں کا لامتناہی سلسلہ اسی طرح جاری ہے۔ نظموں ''زمین کم پڑ جائے گی''، ''معصوم بچی''، ''آٹھ سالہ آصفہ بانو''، ''ہم ایک سہمے ہوئے قبیلے کے پرندے ہیں'' کا دلسوز بیانیہ، سماجی و اخلاقی ابتری کے ساتھ ان گنت چیخوں، سسکیوں اور ناانصافیوں کا الم نامہ ہے۔ نظم ''آٹھ سالہ آصفہ بانو'' کا یہ بند ملاحظہ ہو:

جب معصوم، بے زبان گڑیا کی سیلائی کھول کر
وہ اپنی اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے
آسمان پر بننے والی بے شمار
اور بے زبان گڑیوں نے
خوف زدہ ہو کر
زمین پر جانے سے انکار کر دیا تھا(۳۱)

تبسم فاطمہ کا یہ فکر افروز اور تلخ اسلوب بیان، درحقیقت عصر حاضر کی بھیانک اخلاقی گراوٹ اور سفاکانہ جنسی پامالیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ اُن کی شاعری، شکستہ اور بے اماں ذی روح کے متنوع کیفیات اور آلام کا منظر نامہ

پیش کرتی ہے جو چلتی پھرتی لاشوں کی صورت گزاری ہوئی زیست پر نوحہ کناں ہیں۔ جبر واستحصال پر لب کشائی اور حق گوئی کی بدولت اُن کی شاعری تانیثی مزاحمت کی دلالت کرتی ہے۔

ثمینہ تبسم،تانیثی فکر واسلوب اور جدید طرزِ احساس کی شاعرہ کے طور پر اہمیت رکھتی ہیں۔ گذشتہ بیس برسوں سے درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔ایک باشعور ادیب وشاعرہ ہونے کے باوصف معاشرتی وسیاسی واقعات پر بے باکانہ اظہار خیال کی اہلیت رکھتی ہیں۔ پاکستان سے ہجرت کر کے کینیڈا جیسے ترقی یافتہ ملک کی شہری ہونے کے باوجود اُن کی روح وذہن آج بھی اپنے وطن کی جھلستی دھوپ میں تپتے جسموں کا کرب محسوس کرتا ہے۔ ثمینہ تبسم کی شاعری،اپنی ذات کی آگہی کے ساتھ صنفی استحصال کے متنوع مظاہرات کا ادراک عطا کرتی ہے۔ ملال،اضطراب اور احتجاج کے زاویے جو اُن کی نظموں میں جابجا اُجاگر ہوئے ہیں،اسی آگہی اور ادراک سے جنم لیتے ہیں۔ پہلے مجموعہ کلام نیا چاند کی آزاد ونثری نظمیں،زندگی کے گہرے تجربات،مشاہدات اور معاشرتی رویوں کو وسیع تناظر میں بیان کر کے انسانی ذہن کو نیا انداز فکر اور عصری بصیرت عطا کرتی ہیں۔اِن نظموں کے ذریعے مرد فوقی سماج کی ہوس زدہ ذہنیت اور مکروہ عزائم کو بے نقاب کرتے ہوئے عورت کی بے وقعتی اور کم مائیگی پر ردعمل اور جنسی استحصال کے خلاف بھرپور مزاحمت عیاں ہوئی ہے۔ وہ چاہے نظم ''ہائے ماں'' میں جھلکتا ذاتی دکھ ہو یا ''جہالت'' کے زمرے میں عورت پر نفسیاتی دباؤ کا الم، نظم ''ناجائز'' میں عورت کو مورد الزام ٹھہرانے کی روش ہو یا نظم ''شادی'' کو محض مردانہ جنسی خواہشات کی تکمیل سمجھنا ہو۔ وراثت میں عورت کے قانونی حق کو ختم کرنے کی غرض سے قران پاک سے شادی کرانے کا عمل بھی ظلم وجبر ہی کے زمرے میں شمار ہوتا ہے۔ اسی کرب واحتجاج میں رچی نظم ''ماں خوش کیوں نہیں ہے؟'' کا یہ بند عورت کی بے بسی اور احساسات کا بھرپور عکاس ہے:

بابل نے بھائیوں نے
نو سال کی عمر میں
مجھ کو بیاہ دیا تھا
شادی شدہ ہوں لیکن
بابل کی چھاؤں میں ہوں

نہ کوئی ساس نندیں

سسرال بھی نہیں ہے

بس موج کر رہی ہوں

ماں پھر بھی خوش نہیں ہے

ناشکر کس قدر ہے

وہ آہ بھر کے مجھ کو

تکتی ہے کس لیے یوں؟

داماد ایسا کس کو ملتا ہے اس جہاں میں

دونوں جہاں پہ بھاری

قران میرا خاوند

جنت میرا ٹھکانہ

ماں پھر بھی خوش نہیں ہے![۳۲]

اسی مزاحمتی طرز پر لکھی دیگر نظمیں ''بوکو حرام''، ''کاروکاری''، ''دوسری عورت''، ''کرچیاں'' قابلِ ذکر ہیں۔اِن کا مطالعہ احساس و ادراک کے بے شمار مناظر کو آنکھوں اور ذہن کے سامنے یوں عیاں کر دیتا ہے کہ قاری شکستگی اور کرب کے ساتھ اس صنفی پامالی پر خود بھی سراپا احتجاج ہو جائے۔ نظم ''رتبہ'' کا یہ بند جرات اظہار کا غماز ہے:

یہ گزرے کل کی باتیں ہیں کہ جب رسموں رواجوں کے

بھیانک ناگ اُس کو خوں رُلاتے تھے

کہ جب کردار پر تہمت لگا کے

تم اُسے اُس کی نگاہوں سے گراتے تھے

کہ سمجھوتے کی چادر میں لپٹی کاٹھ کی پتلی سمجھ کے

تم اُسے اپنے اشاروں پہ نچاتے تھے

وہ اپنے عزم وہمت سے
اب اپنی راہ میں حائل انا کے بت گرادے گی
وہ نام ونشاں رستوں کو سنگِ میل کردے گی
اُسے کمزور مت سمجھو
وہ بیچاری نہیں ہے! (۳۳)

دوسرا مجموعہ کلام مٹی کی عورت تانیثی فکر وحسیت سے مزین ہے۔ایک فلاحی معاشرے کی خصوصیات میں حریتِ فکر،آزادی اظہار اور معاشرتی تحفظ اہم سمجھے جاتے ہیں مگر اکثر عورت کو حقوق دینے کے معاملے میں اِن عوامل کو یکسر نظرانداز کردیا جاتا ہے۔ثمینہ تبسم نے جب روایتی مشرقی معاشرے سے کینیڈا کے لبرل سوچ کے پروردہ سماج میں قدم رکھا تو انھیں اُن صنفی مصائب وجبر کا اندازہ ہوا جو مشرقی روایات کی آڑ میں عورت سہتی رہی ہے۔اِن کی نظموں میں عورت کو برابری کے حقوق تفویض کرانے کے ساتھ اُس کے وجود کا اثبات بھی نمایاں ہوا ہے۔ نظم ''مٹی کی عورت'' کا احتجاجی لب ولہجہ ملاحظہ ہو:

بڑی باتیں بناتے ہو
بڑے نعرے لگاتے ہو
کتابوں سے
صحیفوں سے
خود اپنی ذات کے آرام کی خاطر
فسانے گھڑ کے لاتے ہو
مجھے نیچا دکھانے کے لیے
مذہب
سیاست
اور دولت کی بساطوں پہ
کڑی شرطیں لگاتے ہو

مگر

تم ہار جاتے ہو۔۔۔۔۔۔

تم اپنی آسمانی شان

اپنے پاس ہی رکھو

میں دنیا کی دھڑکن ہو

میں اک مٹی کی عورت ہوں ![۳۴]

یہی طرز بیان نظموں ''تم مری روح کو قید نہیں کر سکتے''، ''کٹھ پتلیاں''، ''میں ہتھیار نہیں ڈالوں گی''،میں مرد فوقی معاشرے کے استحصالی رویے اور جنسی پامالیوں پر کڑی تنقید کو عیاں کرتا ہے۔اِن نظموں کی صورت، ثمینہ نے معاشرے کے برہنہ حقائق کی نشاندہی کرتے ہوئے مردانہ مظالم،بے حسی اور طبقاتی تفریق کو اُجاگر کیا ہے۔اِن نظموں میں یہ سوال اُٹھائے گئے ہیں کہ عورت کن وجوہات کی بناء پر جارحانہ رویہ اپنانے پر مجبور ہوئی؟ سماج اور معاشرہ اُسے مساوی حقوق کیوں نہیں دیتا؟۔اِن کی شاعری میں ایک ایسی متحرک اور فعال عورت بھی کارفرما دکھائی دیتی ہے جو اپنے مکمل وجود کو منوانے کے لیے جدوجہد کررہی ہے۔تیسرا مجموعہ کلام عینی شاہد عہد حاضر کے سُلگتے مسائل، صنفی آلام اور عالمی و سماجی ابتذال سے عبارت ہے۔معاشرتی بے راہ روی کے باعث خواتین اور معصوم بچیوں سے زیادتی کے واقعات کے خلاف ثمینہ تبسم کا شعری اظہار، پردرد، تلخ اور انقلابی آہنگ کا ترجمان ہے۔ نظم ''سکس سلیوز''میں صنفی تذلیل و پامالی پر غم وغصے کی کیفیات کا عکس،یوں ظاہر ہوا ہے۔

میرا دل کانپ جاتا ہے

مجھے لگتا ہے

جیسے جسم پہ لاکھوں کڑوڑوں چیونٹیاں سی رینگتی ہیں

اور میری لاش کھاتی ہیں

میں عورت ذات کی بے حرمتی پر چپ رہوں ممکن نہیں ہے

وہ میری ہوں

تمھاری ہوں

کسی بھی رنگ، مذہب، نسل سے اُن کا تعلق ہو

وہ سانجھی بیٹیاں ہیں

اور وہ بے حد مقدس ہیں

جو میری کسی بیٹی پہ بھی

ذہنی یا جسمانی تشدد کی کریہہ حرکات کرتا ہے

اُسے میں قابلِ نفرت سمجھتی ہوں

بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ جو تم نے جنمی ہیں

انھیں پردوں میں رکھو

اور اُن کو اپنی عزت کا نشان سمجھو

مگر تم دوسروں کی بیٹیوں پہ اپنی شیطانی غلاظت ڈال کر ان کو غلاموں کی طرح رکھو؟(۳۵)

ثمینہ تبسم نے معاشرتی خباثتوں اور مجرمانہ رجحانات کی عکاسی اِس پر اثر لب و لہجے میں کی ہیں کہ عصری منظر نامے پر بکھری اِن بے بس روحوں کا الم، پورے کرب کے ساتھ عیاں ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے گرد و پیش پر کڑی نظر رکھتے ہوئے سماجی کج روی اور ناہمواریوں کو اپنی نظموں میں اُجاگر کرتی ہیں۔ یہی طرز اسلوب مجموعہ کلام میں آج کی نظم ہوں میں بھی نمایاں ہے۔ ثمینہ تبسم نے بلند آہنگی اور بے باکی سے درد کی چادر میں لپٹی، بے بسی کی المناک کرداروں کے داخلی و خارجی آلام کو بے نقاب کیا ہے۔ اِن نظموں کا اسلوب عورت کی جنسی ہتک اور مرد فرقہ واریت پر تانیثی مزاحمت کو واضح کرتا ہے۔ نظم ''پیڈوفائل) !بچوں سے جنسی زیادتی اور قتل کے ذہنی مریض)'' میں ملک میں رائج نام نہاد نظام شریعت و قانون پر سخت تنقید کرتے ہوئے اخلاقی ابتذال کی نشان دہی کی ہے۔ اِس بند کا مزاحمتی لب و لہجہ ملاحظہ ہو:

میں اُن خنزیر کے بچوں کے بارے میں سوچتی ہوں کہ

وہ آخر بے حسی

پتھر دلی

بے غیرتی

پاگل پنے کی کون سی پستی کے کیڑے ہیں
جو ایسا ظلم کر کے عیش کرتے ہیں؟
مجھے اِس بات کا دکھ ہے
کہ میں بھی اِس ہوا میں سانس لیتی ہوں
جہاں معصوم بچوں کے یہ قاتل دندناتے پھر رہے ہیں
جہاں مذہب تماشا ہے
جہاں قانون گونگا ہے
جہاں گندی سیاست اپنا ماتم آپ کرتی ہے
جہاں ماں باپ بے بس ہیں! (۳۶)

اسی مزاحمتی لب و لہجے کی حامل نظموں ''اکیسویں صدی کے ابو جہل''(راجہ پور کی عورتوں کے نام، جہاں ایک بچی کا سرعام ریپ ہوا)، ''قصور کس کا ہے''(زینب کے نام)، ''ناقابل بھروسہ مرد ذات!''میں جنسی زیادتی اور مرد فوقی سماج میں عورت کی بے حرمتی، ''اور وہ ماردی گئی''، ''کھمبیاں اور بیر بہوٹیاں''، ''اقلیتوں کی بیٹیوں سے نکاح بالجبر غیر انسانی ہے''میں صنفی کم مائیگی اور فرسودہ روایات میں جکڑی عورتوں کا الم، بخوبی بیان ہوا ہے۔ثمینہ تبسم نے شاعری کو سماجی بدلاؤ اور صنفی تشخص کی بحالی کے لیے ایک جرات مند اظہار اور شعوری کوشش کے طور پر پیش کیا جو اس عہد میں اپنے وجود کا اثبات اور فکری بلوغت کا ثبوت فراہم کر رہی ہے۔شاعری زندگی کی تصویر سے زیادہ اس کی تعبیر و تفسیر ہے۔ایک خلاقانہ و مفکرانہ تفسیر جس میں انسانی زندگی کے جملہ متعلقات و تصادمات اور کیف و کم کا عکس نمایاں ہو سکے۔یہ سپردگی، ثمینہ تبسم کی شعری فکر میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔

عصر حاضر کی نوجوان اُردو شاعرات میں سدرا سحر عمران، اپنے تلخی اظہار اور جدت فکر کے حوالے سے جانی جاتی ہیں۔وہ مصنفہ، کہانی نویس اور ڈرامہ نگار کی حیثیت سے معروف بھی ہیں مگر بطور نظم گو شاعرہ، اُس نے عورت کی بے کسی و مجبوری کی تصویر کشی نہیں کی بلکہ مردانہ نظام کی مکروہ ذہنیت اور چیرہ دستیوں کو اُجاگر کیا ہے۔پہلا مجموعۂ کلام ہم گناہ کا استعارہ ہیں کی شاعری، مزاحمتی آہنگ، بیباک اور تلخ بیانیہ سے عبارت ہے۔سدرا نے اپنی نظموں کے ذریعے مذہب، ثقافت، اقدار اور معاشرتی نظام پر سخت تنقید کرتے ہوئے اُس بیمار اور قدامت پسند

اقدار کی نشاندہی کی جس کے پس پردہ فرسودہ وانتہا پسندانہ ذہنیت کارفرما رہی ہے۔اقوال وافعال کے تلخ ترین تضادات کو رقم کرتے ہوئے سدرا کا طرزِ بیان،اتنا ہی شدید اور سفاک ہو جاتا ہے۔ نظم ''خوش خوراک بدن'' اخلاقی ابتذال کو یوں عیاں کرتی ہے:

عورت پہننے کا فن ایسا ہی ہے
جیسے جوتوں کی دکان پر
مختلف رنگ،ڈیزائن اور کوالٹی کے جوتے پہن پہن کے دیکھنا
لیکن عورت پہننے کا فن سیکھ لینے کے بعد
مرد مرد نہیں رہتا
مردار ہو جاتا ہے (۳۷)

سدرا سحر عمران کی نثری نظموں میں مرد فوقی سماج کے خلاف ویسا ہی ردعمل اُجاگر ہوا ہے جیسا کہ سارا شگفتہ،عذرا پروین اور تبسم فاطمہ کے شعری فکر واسلوب میں عیاں ہے۔وہ اُس سماجی نظام کو قصوروار ٹھہراتی ہے جس نے مذہب اور روایتی اقدار کے نام پر عورت کی تذلیل کی۔اُس کے صنفی تشخص کو ریزہ ریزہ کیا۔ نظم ''ایک سفاک قہقہہ۔۔(میں عورت ہوں)'' ایسے ہی ظالم سماج اور اُس کے نام نہاد ٹھیکداروں کے خلاف ردعمل کی ترجمان ہے۔

سیاہ ہاتھوں والا مزدور
دیہاڑی کی میز پر زہر پھونک رہا تھا
ایک عورت کے بھونکنے کی آواز آئی
مرد دم ہلانے لگے
ننگی دیواروں کے بیچ
ماسٹر ایک بچی کو
اپنے جسم کی تختی پر
لفظ ''عزت'' لکھنا سکھا رہا تھا

بچی ہنستے ہنستے کلہاڑی بن گئی
پان کی پیکوں سے بھری جھگیوں میں
بدن کے سکے کھنک رہے ہیں
لیکن روٹی ابھی بھی مہنگی ہے (۳۸)

تانیثی مزاحمت کا عکس نظموں ''مہنگی جنگ اور مفت کی عورت، بے وطن عورت کا مارچ، تم عورت سے باہر نہیں آسکتے ،ڈیتھ سرٹیفکیٹ پر لکھی ایک نظم '' میں بھی نمایاں ہے۔ دوسرا مجموعہ کلام '' موت کی ریہرسل'' کی شاعری، معاصر معاشرتی رویوں، ناگزیر جبریت کے احساس اور نسائی آلام کی واضح ترجمان ہے۔ تبسم فاطمہ، سدرا کی نظموں پر یوں اظہارِ خیال کرتی ہیں:

> ''سدرا کی نظمیں مکمل نفسیاتی تجزیہ سے گزرتی ہوئی پورے نظام کو آڑے ہاتھوں لیتی ہیں۔ یہاں شرافت اور سماج سے مذہب تک کی دردناک آوازیں سنی جاسکتی ہیں۔ یہاں پاکستان کے ساتھ وہ وحشی دنیا بھی موجود ہے جہاں ترقی کے خیالی نعروں کے درمیان دبی کچلی عورت کے باغی تیور آسانی سے سنے جاسکتے ہیں''(۳۹)

یہ حقیقت ہے کہ سدرا کی نظموں میں انسانی دردمندی کی قدر ایک خاص اصول کے طور پر ابھرتی ہے جس میں مروجہ رسم پارینہ کے خلاف احتجاج، نسائی شکستگی پر برہمی اور انسانی بے حسی پر کاٹ دار طنز عیاں ہے۔ نظمیں ''انکار کے پتھر''، ''جج صاحب کا وقفہ برائے نیند''، ''زچہ وارڈ''، ''بیوہ عورتوں کا تہوار''، ''دھکے مار کر نکالا ہوا جنگل'' ان احساسات سے لبریز ہیں۔ نظم ''عورت چندہ بوکس برائے عزت نہیں ہے'' میں انقلابی آہنگ اور کاٹ دار طنزیہ انداز کچھ یوں عیاں ہوا ہے۔

عورت۔۔۔۔۔
کوئی مسجد نہیں
جس میں تم
اپنی مرضی کی اذانیں دیتے رہو

جب چاہے اسے زمین پر بچھا کر
اپنی مردانگی کو سجدہ کرو (۴۰)

سدرا سحر عمران، عہد حاضر کی وہ بے باک شاعرہ ہے جو زندگی کی ہر منفی صورت حال سے ٹکرانا چاہتی ہے اور منفی عوامل کے اژدہام میں طہارت کی جستجو کرتی نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنے گرد و پیش کو کھلی آنکھوں سے دیکھا اور اسے بیان کرنے میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا۔ یہی سدرا سحر عمران کا تخلیقی اعجاز ہے جو انھیں دیگر شاعرات سے ممتاز کرتا ہے۔ صفیہ حیات، عصر حاضر کی بے باک اور تانیثی فکر کی حامل ادیبہ، شاعرہ اور افسانہ نگار ہیں۔ وہ جدید نثری نظم کی نمائندہ شاعرہ کے طور پر معروف ہیں۔ اُن کا اولین مجموعہ کلام ہوا سے مکالمہ مرد اساس سماج میں صنفی عصبیت، غیر منصفانہ رویوں اور جبریت کے خلاف بھرپور مزاحمت کا ترجمان ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مردانہ سماج نے نہایت چالاکی و چابکدستی سے تہذیبی، معاشرتی اور اخلاقی حد بندیاں، نسوانی نفسیات کی گہرائیوں میں اس طرح پیوست کی ہیں کہ عورت اپنی محکومی اور ذمہ داریاں فطری انداز میں قبول کرتی چلی گئی۔ اُس کی وجودی حیثیت اور انفرادیت، روایات کے دبیز پردوں میں مقید ہوتی رہی۔ صفیہ حیات نے اپنی شاعری کے ذریعے انھی دبیز پردوں میں چھپی عورت کی زندگی اور المیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے مردانہ جبریت پر کڑی تنقید کی ہے۔ اُن کی نظموں کا محور و مرکز عورت کی ذات اور مسائل زیست ہیں۔ وہ عورت کی وجودی آزادی، مساوی حقوق اور صنفی تشخص کی بحالی کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ اسی لیے اِن میں ہر اُس عورت کا کرب ،عیاں ہے جو کسی نہ کسی سطح پر مردانہ مظالم کا شکار رہی۔ نظم '' ضرورتوں کی پھٹی جیبیں ''عورت کی فطری محکومی اور مردانہ بے رخی کو، نظم ''نسوانی چیخ'' مجبور و غریب عورت کی ہوس زدگی کے الم کو، نظم ''دروازہ پیٹتے بھسم ہوتے لوگ'' خاندانی روایات میں جکڑی صنفی بے بسی کو اور نظم ''ہوس اور بھوک'' میں معاشی ضروریات کی خاطر نیلام کرتی عزت کا کرب، اُجاگر ہوا ہے۔ صفیہ نے عورت کی زندگی کی تہ دار حقیقتوں کو بڑی خوبی اور مزاحمتی لب و لہجے میں بیان کیا ہے۔ نظم ''عنوان آپ رکھ دیں'' کا تلخ بیانیہ ملاحظہ ہو:

عورت جن کے حواس پہ طاری رہتی ہے
وہ صنف نازک کہلانے کے زیادہ حق دار ہیں
بڑھتے ریپ کی تعداد بتاتی ہے

ذہنی بیمار قوم کو کونسلنگ کی ضرورت ہے
مسلمانیت کے دعوے دار
غسل واجب کے فرائض سے لے کر
کھیرا کاٹنے کے صحیح عمل سے واقف ہیں
مگر
دماغی کیڑوں سے نجات کیوں کر ممکن ہے
نہیں جانتے
دور سے
جھاڑیوں پہ پڑا لال کپڑا
ان کے اندر کھلبلی مچا دیتا ہے
خارش ان کے جسموں پہ رینگنے لگتی ہے
کاش ان کی بینائی چھین لی جائے (۴۱)

یہی طرز اسلوب نظموں ''فریم ورک''، '' رسم بے حیائی''، '' پابند سلاسل''، ''مرضی کا نعرہ''، ''سکس ٹوائے''، ''کلائمکس''، ''گڑیا''، ''رنگدار انگلیوں سمیت جلائی جانی والی لڑکی''، ''گیم از اوور'' میں بھی نمایاں ہے۔ایک ایسا معاشرہ جہاں عورت کی حیثیت ایک غلام کی سی ہو،وہاں اُس کے حقوق کی بحالی کی جنگ لڑنا اور پوری بے خوفی سے احتجاج کرنا،صفیہ حیات جیسی جرأت مند شاعرہ کا ہی خاصہ ہو سکتا ہے۔انھوں نے جدید عورت کے مصائب و آلام کو پورے عصری شعور کے ساتھ پیش کیا ہے۔اس میں ازدواجی و گھریلو ذمے داریوں میں دبی عورت بھی ہیں اور ورکنگ وومن بھی۔ نظم ''نیم پلیٹ سے نام کھرچتی لڑکی'' گھریلو تشدد کا شکار اور مردانہ جبریت سے انکار کرتی عورت کا اعلامیہ ہے جہاں اس کی نفسیاتی، جنسی اور ذاتی تذلیل کی جاتی ہے:

محبوب بن کے
وہ دعووں کے جھنڈے گاڑ دیتا
بستر کی چادر بدلتے

خود کو مختار کل سمجھ بیٹھا

اب سوچنے

خواب دیکھنے پہ پابندی لگا کر

خود کو مرد کہتا ہے

ورکنگ ویمن کو

کمانے کے نام پہ کلنک کا ٹیکہ کہتے

اے ٹی ایم کارڈ بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا

اکاونٹ بلاک کروانے پہ

لعن طعن سنتے

وحشتوں کے ساتھی کو

وہ دشمن بنا بیٹھی ہے (۴۲)

صفیہ حیات کی شاعری، زندگی کی حقیقت پسندانہ پیکر تراشی اور تانیثی حسیّت سے معمور ہے۔ نظموں کے عنوانات میں بھی جدتِ اسلوب اور تلخی دوراں کا احساس نمایاں ہوتا ہے۔ اُن کی فکری و شعری بلند آہنگی بہت سی کہنہ روایات اور معاشرتی حد بندیوں کو توڑ کر ایک نیا مساویانہ و آزاد طرز حیات خلق کرنے کا خواہاں دکھائی دیتی ہے۔

معاصر اُردو شاعرات کے طرزِ اسلوب میں تانیثی جہات کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اِن شاعرات نے نظمیہ شاعری کے ذریعے تانیثی فکر و عمل کی ترویج کرتے ہوئے عصری معاشرتی ابتذال کی نشاندہی کا فریضہ بخوبی ادا کیا۔ عورتوں کے حقوق کی بازیافت اور متعصبانہ رویوں کی بیخ کنی، معاصر شاعرات کا بنیادی نظریاتی موقف ہے جس کے تحت اگر مرد فوقی سماج کی روایتی ذہنیت کو تبدیل نہیں کیا گیا اور صنفی تفریق و پامالیوں پر بے باک احتجاج رقم نہیں کیا گیا تو نئی صدی میں بھی عورت کی مجموعی صورت حال میں تبدیلی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ تانیثیت، مرد اساس نظام و اقدار کی نفی کرتے ہوئے مرد و زن کے درمیان مکمل مساوات پر مبنی نظام کی تشکیل و ترویج کا اعادہ کرتی ہے۔ معاصر اُردو شاعرات نے اسی نقطۂ نظر کو اپنے تخلیقی اظہار اور ڈسکورس میں ایک توانا اور متحرک جزو کے طور پر پیش کیا ہے۔

حواشی

۱۔ عتیق اللہ، تانیثیت ایک ساتی مطالعہ، مشمولہ تانیثیت کے مباحث اور اُردو ناول، (دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۲۰۰۸)ص35

۲۔ حقانی القاسمی، اکیسویں صدی کی نظم، (نئی دہلی: ادب کولاژ، عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۴)ص320

۳۔ نسیم سید، آدھی گواہی، (کراچی: ارتقا مطبوعات، ۱۹۹۴)ص12

۴۔ ایضاً ص50،49

۵۔ نسیم سید، سمندر راستہ دے گا، (نئی دہلی: ادبی دنیا پبلی کیشنز، ۲۰۱۸)ص59،60

۶۔ نسیم سید، تیلی بھر آگ، (فیصل آباد: مثال پبلیشرز، ۲۰۲۰)ص37

۷۔ حمیدہ شاہین، دستک، (لاہور: رویش پبلی کیشنز، ۱۹۹۴)ص62

۸۔ حمیدہ شاہین، دشت وجود، (لاہور: ملٹی میڈیا فیرز، ۲۰۰۶)ص42،30

۹۔ حمیدہ شاہین، زندہ ہوں، (لاہور: ملٹی میڈیا فیرز، ۲۰۱۰)ص79

۱۰۔ شہناز نبی، پس دیوار گریہ، (دہلی: ایم کے آفسٹ پرنٹرس، ۲۰۰۸)ص43،21

۱۱۔ شہناز نبی، اگلے پڑاؤ سے پہلے، (کلکتہ: رہروان ادب، ۲۰۰۱)ص121

۱۲۔ ایضاً ص99

۱۳۔ شہلا نقوی، نخل مریم، (کراچی: پاکستانی ادب پبلی کیشنز، ۲۰۰۰)ص16

۱۴۔ ایضاً ص52

۱۵۔ تزئین راز زیدی، راز دان، (کراچی: اشارت، ۲۰۰۲)ص229

۱۶۔ تزئین راز زیدی، مضراب رگ جاں، (کراچی: آرٹس کونسل آف پاکستان، ۲۰۱۱)ص152

۱۷۔ تزئین راز زیدی، کسک،) مسی ساگا، کینیڈا The Ambotion : ،۲۰۱۴ (ص109،108

۱۸۔ ثروت زہرا، جلتی ہوا کا گیت، (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۳)ص121

۱۹۔ ایضاً ص63

۲۰۔ ثروت زہرا، وقت کی قید میں، (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۳)ص27

۲۱۔ عذرا پروین، راگ راگ مٹی، (دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۲۰۰۷)ص88،46

۲۲۔ عذرا پروین، بارہ قباؤں کی سہیلی، (دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۲۰۱۰)ص56

۲۳۔ ایضاً ص73

۲۴۔ کہکشاں تبسم، بھنور بنتا ہوا دریا، (پٹنہ: دانشکدہ، ۲۰۰۹)، ص40

۲۵۔ کہکشاں تبسم،سلسلے ہے سوالوں کے،(بہار: کسوٹی پبلیکیشنز،۲۰۱۵)ص18

۲۶۔ یاسمین حمید،ہمارا معاشرہ اور لکھاری عورت، مشمولہ مکالمہ نمبر۳۶،مرتبہ مبین مرزا،(کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۸)ص24

۲۷۔ تبسم فاطمہ،میں پناہ تلاش کرتی ہوں،(نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس،۲۰۱۴)ص19

۲۸۔ ایضاً ،ص75

۲۹۔ تبسم فاطمہ،ذرا دور چلنے کی حسرت رہی ہے ،(نئی دہلی: ادب سلسلہ پبلی کیشنز،۲۰۱۷)ص26

۳۰۔ ایضاً ،ص24

۳۱۔ تبسم فاطمہ،تمہارے خیال کی آخری دھوپ،(نئی دہلی: روشناس پرنٹرز،۲۰۱۹)ص52

۳۲۔ ثمینہ تبسم،نیا چاند،(لاہور: اظہار سنز،۲۰۱۴)ص22،23

۳۳۔ ایضاً ،ص17،16

۳۴۔ ثمینہ تبسم،مٹی کی عورت،(لاہور: اظہار سنز،۲۰۱۶)ص10

۳۵۔ ثمینہ تبسم،عینی شاہد،(لاہور: اظہار سنز،۲۰۱۷)ص110

۳۶۔ ثمینہ تبسم،میں آج کی عورت ہوں،(لاہور: اظہار سنز،۲۰۱۸)ص58

۳۷۔ سدرا سحر عمران،ہم گناہ کا استعارہ ہیں،(لاہور: فکشن ہاؤس،۲۰۱۶)ص32

۳۸۔ ایضاً ،ص55

۳۹۔ تبسم فاطمہ،سدرا سحر عمران کی نظمیں (جولائی تا ستمبر)،مشمولہ سہ ماہی سمت مدیر اعجاز عبید،(حیدرآباد: ۲۰۲۱)ص123

۴۰۔ سدرا سحر عمران،موت کی ریہرسل،(لاہور: فکشن ہاؤس،۲۰۲۰)ص24

۴۱۔ صفیہ حیات،ہوا سے مکالمہ،(لاہور: سانجھ پبلی کیشنز،۲۰۱۹)ص54

۴۲۔ ایضاً ،ص77

کتابیات

1- Ara,shabnum,Tanisiyat Kay Mubahis Aur Urdu Novel, Dehli:Educational Publishing Housean,2008.

2- Al qasmi,Haqqani,Iqeesvi sadi ki Nazam,New Dehli:Adab collase, Arsheeya Publications,2014.

3- Hameed, Yasmeen, Hamara Mashra Aur Likhari Aurat,in ukalma no 36. Edited by Mobeen Mirza, Karachi: Academy Bazyaft, 2018.

4- Hayat, Safia, Hawa Say Mukalma, Lahore: Sanjh Publication, 2019.

5- Perveen, Azra, Raag Raag Mitti, Dehli: Sathiya Academy, 2007.

6- Perveen, Azra, Baraah Qabaoon ki sehalli, Dehli: Educational Publishing House, 2010.

7- Shaheen, Hameeda, Dastak, Lahore: Rawish Publication, 1994.

8- Syed, Naseem, Aadhi Gawahi, Karachi: Irtiqa Mutbuaat, 1994.

9- Tabassum, Kekashan, Bahwaar banta huwa darya, Patna: Danishkada, 2004.

10- Zehra, Sarwat, dr, Julti Hawa Ka Geet, Karachi: Academy Bazyaft, 2003.